Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 4 (April-June 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

# The Contribution of Anjuman-e-Punjab and Iqbal in Modern Urdu Poetry

# جدید اردو نظم نگاری میں انجمنِ پنجاب اور اقبال کا حصہ

**Dr. Shabbir Hussain**
*Assistant Professor, Department of Urdu, University of Education, LMC Lahore*

**Dr. Aamra Rasool**
*Lecturer Urdu Government graduate college for women Dubai mahal road Bahawalpur*
aamrapsychologist9@gmail.com

**Mushtaq Ahmad**
*PhD Scholar Urdu, National College of Business and Economics Sub Campus Bahawalpur*
Mushtaqkharal46@gmail.com

## Abstract

Anjuman e Punjab played a dynamic role in the construction of Jadeed Urdu Nazm. Urdu Nazm in the first decades of 20th century too such a fantastic shape which defined its space to grow the way it is now showing elegantly. Allama Iqbal' s Nazm was the most cherished fruit of this transitional time of Urdu Nazm. This article aims at finding the relationship among Anjuman e Punjab, the poetic trends of early 20th century Urdu Nazm in the reference with Iqbal's Urdu Nazm. It emphasizes that Iqbal has many ways to be appreciated as a great poet; A gigantic Poet, an innovative Nazm Poet and a creative brain entirely compatible to the sense and sensibility of his age.

**Keywords:** Allama Iqbal, Anjuman e Punjab, Jadeed Urdu Nazm, Symbolism, early 20th century, Urdu Literary movementsa, Natural Poetry, Romantic Poetry

نیچرل شاعری کی تحریک انجمنِ پنجاب کے پلیٹ فارم سے جدید اردو نظم کے لیے کاوشیں رفتہ رفتہ نظم کو ارتقائی سفر پر روانہ کیے ہوئے تھی۔ نیچرل شاعری سے ترقی پسند تحریک کے زمانے تک کا درمیانی عرصہ اردو نظم کی تشکیل و دریافت کا عبوری دور ہے۔ بیسویں صدی کے اول نصف کے بعد جس نفسیاتی کیفیت (دو جذبی جدیدیت) کے تنقیدی حوالے پڑھنے میں آتے ہیں اس کے باطن سے بیسویں صدی کے جدید نظم کے رجحانات جلوہ گر ہونے کا منطقی امکان مزید توانا تھا۔

"دو جذبی جدیدیت کی روح میں لگا روایت کا پیوند ایک طرف سے اسے مغربی جدیدیت کو ہو بہو قبول کرنے میں مانع بنا ہوا تھا تو دوسری طرف خود اپنی روایت کے کسی وحدانی تصور کی قبولیت کو بھی محال بناتا تھا۔ یہیں سے روایت کی بازیافت، تشکیلِ نو اور تعبیر کا آغاز ہوا۔ بازیافت بہ معنی Reclamation تشکیلِ نو اور تعبیر ہی وہ امکانات تھے جنھیں بیسویں صدی کی جدید نظم بروئے کار لائی۔"(01)

بیسویں صدی کے آغاز میں ہمیں نظم بہت سے دھاروں میں بٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایک بڑا دھارا تو انہیں فطری مظاہر سے ہم رشتہ جس کی داغ بیل حالیؔ نے ڈالی۔ ایک دھارا آزادؔ کی فکر کے تابع ہے، اور پھر اقبالؔ کی نظمیں ایک مکمل انفرادیت لیے ہوئے ہیں۔ یہ عہد برصغیر میں رومانویت کے آغاز کا بھی عہد ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر انجمن پنجاب کے تحت ہونے والے مشاعروں کا تعلق بھی انگلستان کی رومانی شاعری سے جوڑتے ہیں۔ ان کے مطابق انجمن کے محرک ڈاکٹر لائٹز کا شعری ذوق اس حد تک قوی ہو گا کہ اس نے معاصر انگریزی رومانی شاعروں کا مطالعہ کر رکھا ہو گا۔ اس لحاظ سے ورڈز ورتھ، کولرج، کیٹس اور بائرن کی نظموں کے بعد اردو غزل کی فضا اپنی مخصوص مایوسی کے سبب سوگوار محسوس ہوتی ہو گی۔ ممکن ہے کہ اسی احساس نے نظموں کے ذریعے سے اردو شاعری میں موضوع کی سطح پر وسعت پیدا کرنے کی سعی کی ہو گی۔ وہ اس کو رومانیت کا آغاز بھی کہتے ہیں۔

”اردو ادب میں نثر کی حد تک رومانیت کا آغاز یلدرم اور نیاز سے کیا جاتا ہے جبکہ انجمن پنجاب کے ۱۰ مشاعروں میں پیش کی گئی نظموں سے (شاعری کی حد تک) رومانیت کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ حالیؔ اور آزادؔ سے کولرج جیسی تخیل پرستی، بائرن جیسی آزادہ روی، ورڈز ورتھ جیسی فطرت نگاری اور کیٹس جیسی حسن پرستی کی توقع بے کار ہے لیکن عصری تخلیقی تناظر میں جو کچھ لکھا جا رہا تھا وہ قابلِ توجہ ہے۔ حالیؔ، اخترؔ شیرانی نہ بن سکتے تھے کہ ابھی سلمائوں کا عہد دُور تھا لیکن انجمن کے مشاعروں نے نظم گوئی کا جواز مہیا کر دیا۔“(02)

بہر طور برصغیر میں اردو شاعری کے حوالے سے ایک نئے اور تازہ دور کا آغاز ہو چکا تھا۔ تجربات سے لگائو جدت کی طرف قدم بڑھانے میں مددگار ہوتا ہے۔ تجربات کے لیے اس عہد میں خاصی گنجائش موجود تھی مگر شرطِ اول نبض شناس ہونا تھا۔ اس عہد میں اصلاحی نظم بھی لکھی جا سکتی تھی اور انقلابی بھی، رومانویت کا چراغ بھی جلایا جا سکتا تھا اور کلاسیکیت سے اخلاقیات کا ستارہ بھی راہنما سمجھ جا سکتا تھا۔ یہ تنوع بس تقاضا یہ کرتا رہا کہ جو بھی تحریر ہو وہ کسی صورت عہد کی کسی نہ کسی لہر کا حصہ بن جائے۔

رومانیت کے تحت لکھی جانے والی نظمیں اصل میں سرسید کی اصلاحی تحریک کی اس انتہائی شکل کے خلاف احتجاج تھا جو زندگی کے باقی معاملات اور انسانی جذباتی ضروریات کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتی۔ بچوں کے لیے نظمیں، اسلام کے لیے نظمیں تحریک آزادی کے خواب جیسے موضوع، محبوب کی سراپا نگاری سے ایک قدم آگے کی نظمیں، ماضی کی یاد میں اور مستقبل کے خواب پر نظمیں، غرضیکہ نظم نگاروں کا ایک جھرمٹ بیسویں صدی کے پہلے تیس برسوں میں جگمگاتا ہے اور اردو شاعری کے افق کو تاباں کرتا ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں ہیئت کے جو تجربے ہوئے اور موضوعاتی سطح پر جو پھیلائو دیکھنے میں آیا اس میں رومانوی تحریک کے خال و خد بھی نمایاں ہوئے۔ بہت سے نظم نگاروں نے اس عرصے میں فارم اور موضوع میں سے کسی ایک یا ہر دو حوالوں سے اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ ان میں سے نظم طباطبائی، خوشی محمد ناظر، شوق قدوائی، وحید الدین سلیم، درگا سہائے سرور جہاں آبادی موہن لال جگت، تلوک چند محروم، محسن کاکوروی، اسماعیل میرٹھی، غلام بھیک نیرنگ، بے نظیر شاہ وارثی اور مولانا ظفر علی خاں وغیرہ کے نام بہت اہم ہیں۔

بیسویں صدی کے خمسہ اول کا سب سے نمایاں اور جدید شاعر اقبال ہے۔ اقبال کی شاعری مواد اور ہیئت، ہر دو حوالوں سے جدید کہلانے کا حق رکھتی ہے۔ انہوں نے نہ صرف جدید موضوعات، مسائل اور اشیا سے اپنے احساسی قرب کو شعری میں سمویا بلکہ شعری زبان کے سلسلے میں بھی اجتہادی عمل کا ثبوت دیا۔ لفظوں کے جدید استعمال سے، نئی علامتوں کی تخلیق اور پرانی علامتوں کو نئے مفاہیم عطا کر کے، گویا زبان کو از سر نو خلق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں انفرادیت، جدت اور تازگی کا احساس ہے۔ یقین ہو جاتا ہے کہ پہلے یہ لہجہ اردو نظم نگاری میں اس سے پہلے کہیں موجود نہیں تھا۔

”مگر اقبال ان بڑے شعرا میں سے ہیں جو ہمیشہ تعمیر اور تخریب کے سنگم پر نمودار ہوتے ہیں اور جن کے ہاں ایک طرف نئے زمانے کی شکست و ریخت کا عرفان اور دوسری طرف ماضی کے نظم و ضبط کا احترام موجود ہوتا ہے، نیز جو آنے والے زمانے کی چاپ سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں... ایسے شعرا کو نئے اور پرانے، سبھی اپنانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی قدامت یا جدیدیت کے بارے میں گرمیٔ گفتار کا مظاہرہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ اقبال کے بارے میں مزید کچھ کہنے کے بجائے، مجھے جدید اردو شاعری کی اس تحریک کا ذکر کرنا ہے جو ان کی اجتہادی روش سے پھوٹی اور پھر پھلتے پھولتے چلی گئی۔“(03)

اقبال نے جدت اور روایت دونوں کو ثروت مند کیا ہے۔ ’انجمن پنجاب کی نظم کی تحریک نے جس شعری روایت کو جدت آشنا کیا تھا وہ روایت ارتقاء پسندی سے نئی جہتوں میں پھل پھول رہی تھی۔ انجمن پنجاب کی تمام تر کوششوں کا ثمر گویا اقبال کی نظم گوئی تھی۔

”غرضیکہ انجمن پنجاب کی شعری تحریک نے اردو شعری روایت کو ایک نئی راہ سے روشناس کیا۔ اقتضائے زمانہ کے مطابق شاعری اب تخیل، جذبے اور فن تک اظہار کے محدود رہنے کی بجائے ایک نئی جہت سے آشنا ہوئی۔ بے شک آزادؔ اور حالیؔ نے موضوع پر زور دیتے ہوئے فنی تقاضوں کو کسی حد تک پس پشت ڈال دیا تھا تاہم جلد ہی


cc BY

اردو شاعری کو ایک عظیم شاعر نصیب ہو گیا جس نے قدیم شاعری سے فن کاری اور جدید شاعری سے موضوعاتی رجحانات لے کر ایسی اعلیٰ سطح کی شاعری کی جس نے حال کے علاوہ مستقبل کو بھی متاثر کیا اور شاعری میں اعلیٰ روایات قائم کیں... یہ عظیم شاعر اقبال تھا۔"(04)

آزاد کے ہیئت کے شعور کا سب سے زیادہ فائدہ اقبال کو حاصل ہوا کہ اقبال نے اپنی نظم نگاری میں پابند ہیئتوں کو ملحوظ رکھا اور مثنوی اور غزل کی ہیئت کو کثرت سے استعمال کیا۔ آزاد کی طرح انہوں نے بھی مثنوی کی ہیئت کو موضوع کی مناسبت سے مختلف بندوں میں تقسیم کیا۔ اگرچہ اقبال کے زمانے میں ہیئتی تجربات خصوصاً نظم معری کے تجربات نے پورے شعری منظر نامے کو متاثر کیا اور آزاد نظم کے تجربات بھی ان کی زندگی کے آخری سات آٹھ سالوں میں آغاز ہو گئے تھے لیکن اقبال نے اپنی فکر کے اظہار کے لیے پابند ہیئتوں سے بہترین کام لیا۔(05)

اقبال کو اگر ہیئتی اعتبار سے نظم نگاری میں دیکھا جائے تو اقبال کافی حد تک پابند ہیئتوں کے نظم نگار ہیں۔ جب کہ اقبال کے عہد کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ نظم کس درجہ انحراف پسند ہو چکی ہے یہ انحراف ہمیں موضوع کی کشادگی میں دکھائی دیتا ہے۔ اس عہد کا نظم کا بدلاؤ ہمیں غیر مقفی نظموں سے بھی متعارف کرواتا ہے۔ انگریزی سے ماخوذ اسٹینزا (Stanza) اور سانیٹ (Sonnet) کی فارم اس عہد کے نظم کے تجربات کا خاص چلن ہے۔ مگر اقبال پابند ہیئتوں کے ذریعے ہی اپنے عہد کے سب سے بڑے ترجمان بن کر سامنے آتے ہیں۔ اپنی تہذیب و ثقافت کے بازیافت (Reclaim) کے حوالے سے اقبال سے زیادہ توانا اور جاندار کوئی دوسری آواز نہیں۔ اقبال کے پاس اس Confusion کنفیوژن کا تخلیقی حل موجود تھا جس کا شکار ہمیں حالی اور آزاد جیسے نابغۂ روزگار بھی دکھائی دیتے ہیں۔ خیر یہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ جس میں ایک واضح شعری نصب العین کے بغیر تضادات کی بھول بھلیاں کسی بھی سوچنے والے دماغ کو منطقی الجھاؤ کا شکار کر سکتی تھیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ایک تخلیق کار اپنے حقیقی تخلیقی شعور میں اعتدال اور توازن کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے عہد کے اصلی شعور کو بیان کرے۔ اقبال کے شعری اظہار میں موجود تضادات کے مابین نامیاتی رشتے اقبال کی نظم نگاری کی تفہیم میں خاص مقام رکھتا ہے:

"اردو نظم میں اپنی تخلیقی توانائی سے روایت اور جدت کے باہمی ارتباط کو قائم رکھنے والے سب سے معتبر شاعر علامہ اقبال ہیں۔ اقبال کے دور میں ماضی کی اہمیت قائم تھی، روایت کی یکسر نفی رائج نہ ہوئی تھی۔ روایت اور ماضی محض تکرار اور رکا ہوا پانی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال ماضی پرستی اور زندہ روایت کو ملحوظ خاطر رکھنے میں کامیاب رہے۔ اقبال نے طرز کہن پر اڑے بغیر تخلیقی شعور، تاریخی پس منظر اور مذہبی میراث کو منتقل کیا۔ کچھ نقادوں نے انہیں تضادات کا شاعر بھی کہا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ توازن قائم رکھنے کے لیے انہوں نے تضادات کو مناسب جگہ دی۔ ہر اعلیٰ تخلیقی شعور میں ماضی، حال اور مستقبل موجود ہوتا ہے، اصل مسئلہ انتخاب، اتصال اور شعری اظہار کے نامیاتی رشتے کا ہے۔ جس میں اقبال قدرت تامہ رکھتے ہیں۔"(06)

اقبال کے ہاں نظم کی سطح پر عصری شعور کی جو صورت میسر آتی ہے وہ ایک نئی طرح کی رومانویت اور عصری شعور کا ایسا امتزاج ہے جس سے حالی اور آزاد کی عظمتِ رفتہ کے خواب از سر نو تشکیل پاتے ہیں اور دوسری طرف برصغیر کے مسلمانوں کے عصری مسائل سے کلام کرتے ہوئے عالمی انسانی مسائل کی عقدہ کشائی کرتی ہیں۔ جدید اردو شاعری میں عصری شعور کا اظہار اگر کسی نظم نگار کے ہاں سب سے زیادہ نمایاں ہے تو وہ بلاشبہ اقبال ہیں۔ اقبال کی نظم نگاری میں ماضی کی بازیافت مغرب کے تناظر میں عمل پذیر ہوتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے نظم کو فرد اور معاشرے کے درمیان ایک رشتے کے طور پر دیکھا تھا۔ اقبال نے اس رشتے کو ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں پھیلا دیا ہے۔ یوں نظم موضوعات کے ایک ایسے آدرش سے لبریز ہونے کا تجربہ حاصل کرتی ہے جو زمانی، مکانی اور انسانی اعتبار سے آفاقیت پسند ہے۔ اقبال نے اس درجہ وسعت سے اردو نظم کے مصنوعی ڈھانچے میں ایک مخصوص لچک پیدا کر دی ہے، ایک ایسی گنجائش جس کی بنا پر کسی طرح کا بھی انسانی فکر کا تجربہ اردو نظم کا حصہ بنایا جا سکتا ہے۔ اقبال کی نظم گوئی کی کئی سطحیں ہیں۔ ان میں سے ایک سطح سماجی مسائل اور حقیقت نگاری کی ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن لکھتے ہیں:

"انہوں نے جس دور میں شاعری کی وہ ہندوستان کے زوال کا بدترین دور تھا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے عہد کی صورتِ حال کی عکاسی کی بلکہ اس کا تجزیہ بھی کیا۔ ہندوستان کی غلامی کی بنیاد تک پہنچے اور آزادی کی منزل تک پہنچنے والے راستے کی نشان دہی کی۔ بظاہر اقبال کی شاعری مسلمانوں کے مسائل تک محدود نظر آتی ہے اور اگر اس نقطہ نظر سے ان کی شاعری کو دیکھا جائے تو ان کا عصری شعور بہت محدود ہو کر رہ جاتا ہے لیکن اقبال کی شاعری صرف یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنے عظیم اسلوب سے اسے دنیا بھر کی محکوم و مجبور قوموں کی آواز بنا دیا ہے۔"(07)

اقبال کی نظم نگاری کی دوسری سطح علامت اور نظمیہ تمثال ہے۔ اقبال نے شاعری میں علامت سے بہت کام لیا ہے۔ اگرچہ اقبال نے استعارے استعمال کیے ہیں مگر ان استعاروں کو اتنی شدت اور سلیقے سے برتا ہے کہ وہ علامت کے درجے سے گزرتے ہوئے تمثال بن جاتا ہے۔ یہ شاعر کا کمال ہے کہ وہ "علامت" سے "تمثال" اور "تمثال" سے "علامت" کا کام لے رہا ہے۔ اقبال کے ہاں استعمال ہونے والی ہر "علامت" بجائے خود ایک کامیاب "تمثال" بھی ہے۔ چاہے وہ مردِ مومن ہو یا شاہین، قلندر ہو یا ساقی، یہ اقبال کا شاعرانہ کمال ہے کہ وہ اپنے ان استعارات کو علامت میں منتقل کرتا ہے اور پھر ان علامات کو تمثال کے روپ میں ڈھال دیتا ہے۔ اقبال کے ہاں استعارہ شاہین، مردِ مومن، قلندر کی موجودگی کے ساتھ ہی ایک بھرپور تصویر قاری یا سامع کے ذہن میں ابھرتی ہے۔ اقبال کا پورا شعری کلام استعارے کے برمحل استعمال سے علامت کا روپ دھار لیتا ہے اور تمثال کی صورت میں قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ اقبات کی معروف نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" ایک کامیاب ڈرامائی نظم ہے لیکن اس نظم میں بھی اقبال نے کرداروں کے افعال کی وضاحت کے لیے تشبیہ و استعارہ کو برتا ہے جس سے کامیاب تمثال پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن اقبال کو ایک ایسا امیجسٹ (Imagist) کہنا غلط ہوگا جو اپنی شاعری میں تمثالوں کو وسیلۂ اظہار بناتا ہے۔ اقبال کا استعارہ ایک مکمل علامت کا روپ دھار لیتا ہے اور یہ علامت ایک تصور میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اقبال کا شاعری کا میکانزم ہی بڑا مختلف ہے۔ اس کو سمجھنے کی صورت میں ہی اقبال کے شعری وژن کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اقبال اپنے استعارے سے کوئی رومانوی فضا نہیں بناتا نہ وہ زندگی کی تصویر کشی براہ راست یا بلاواسطہ کرتا ہے بلکہ وہ ایک آدرش کا آمین ہے اور اس آدرش کے پرچار میں اس کا استعارہ ایک بھرپور علامت کا روپ دھار لیتا ہے جو اپنی اصل حالت میں مذہب اور تاریخ سے جڑی ہوئی ہے۔(08)

اقبال کی نظم نگاری میں کوئی ایسا ہئیتی تجربہ موجود نہیں جس کی بنا پر اقبال کو ہئیتی سطح پر کوئی خاص حوالہ دیا جائے۔ لیکن اقبال کا اسلوبی تجربہ بالکل تازہ اور نیا تھا:

"اتنا نیا کہ اس کے خلاف بھی اتنا ہی ردعمل ہوا جتنا ان نئی ہئیتوں کے حوالے سے گویا اقبال کی شاعری میں بدلتی ہوئی تہذیبی صورت حال کے اثرات اسلوب کے حوالے سے نمایاں ہوئے۔ اقبال کا اسلوب ہندوستانی تہذیب کے بجائے ڈیڑھ ہزار سال پرانی اسلامی تہذیب اور نئی مغربی تہذیب کے تناقضات سے ظہور پذیر ہوا، اس لیے اس میں نئی صورت حال کی عکاسی کرنے کی پوری طاقت موجود تھی۔"(09)

اقبال نے نظم کو اسلوبی سطح پر جس پیرائے سے آشنا کیا وہ خود اقبال کے عہد کے شاعروں کے لیے بالکل انوکھا اور نیا تھا۔ کسی ہئیتی تجربے کے بغیر اسلوب، موضوعات اور فنکارانہ چابک دستی سے نظم کو اس درجہ فیشن بنا دینا اقبال کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد اقبال کا اپنے عہد سے مختلف ہونا اور نظم کو عظمت سے آشنا کرنے کو اقبال کا کمال فن سمجھتے ہیں:

" اقبال نے اردو نظم کو جو موضوعاتی وسعت اور فنی دبازت عطا کی اس نے جدید نظم کی بنیاد مضبوط کر دی۔ اقبال نظم کو جن نئی بنیادوں پر استوار کر رہے تھے اس نے مستقبل کے لیے ایک روشن دریچہ وا کر دیا، لیکن خود اقبال کے اپنے عہد میں ایسے شاعر موجود تھے جو پرانی روایات کو سینے سے چمٹائے پرانے فنی ڈھانچے کی پاسداری کر رہے تھے۔ اقبال کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نظم کے فنی ڈھانچے میں کوئی بڑا تکنیکی تجربہ کیے بغیر نظم کو عظمت و بالیدگی عطا کی۔"(10)

اقبال کی نظم نگاری کی تفہیم کی اگلی سطح وہ ہے جو مابعد نو آبادیات کے تناظر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ اقبال کی نظم ’’مسجد قرطبہ‘‘ کا مطالعہ کرتے ہوئے اسے مختلف تناظرات میں تعبیر کے مراحل سے گزارتے ہیں۔ناصر عباس نیرؔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جدید اردو نظم میں ایک سے زیادہ ’’جدیدتیں‘‘ پائی جاتی ہیں اور ان سب کا انحصار اس بات پر ہے کہ ماضی کی بازیافت اور تشکیل نو کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔’مسجد قرطبہ‘ کا مطالعہ کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

’’دوسرے لفظوں میں اقبال کی جدید نظم جس ماضی کی بازیافت کرتی ہے، وہ ’حجازی‘ عربی، اسلامی، ماضی ہے، اور جس تناظر میں بازیافت کا عمل انجام پاتا ہے، وہ، مغربی جدید تہذیب اور استعمارات، ہے۔ نئی اصطلاحوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اقبال مغربی تہذیب کے کبیری بیانیے کا جواب اسلامی کبیری بیانیے کی فلسفیانہ اور جمالیاتی تشکیل کی مدد سے پیش کرتے ہیں۔اس بنا پر اقبال کی نظم، جدید اردو نظم کے دیگر دھاروں سے الگ اپنی شناخت قائم کرتی ہے، اور ایک مختلف قسم کی ’جدیدیت‘ کی حامل ہے۔‘‘(11)

مابعد نو آبادیات ناقدین کے ہاں اقبال کی نظم نگاری کی تعبیرات میں کئی طرح کی جدیدیت کی درست تلاش نظر آتی ہے۔لہٰذا ان تمام تعبیراتی زاویوں سے بھی اقبال کی نظم نگاری اردو نظم نگاری کی تاریخ وارتقاء میں بالکل یکتا و یگانہ عظمت کی حامل نظر آتی ہے۔اقبال کے ہاں نظم ایک پوری تہذیب کی گونج رکھے ہوئے ایسا گنبد اور محراب ہے جس میں ہر لمحے کی موجودگی ہمسر اور ہم رشتہ ہو جاتی ہے۔اقبال کی نظم فرد کی عظمت اور آزادی کا خواب ہے۔ جیسے ڈاکٹر رشید امجد نے اقبال کے مابعد الطبعیات تصورات کو نظم میں ڈھل جانے اور انسانی عظمت کے بیان ہو جانے کو اقبال کی نظم کا اہم پہلو بتایا ہے۔

’’نظیر اکبر آبادی نے نظم کے ذریعے جس اکہری سطح پر فرد اور معاشرے کے درمیانی رشتوں کی پہچان کرائی تھی، اقبال نے ان رشتوں کو مذہبی مابعد الطبیعات کے حوالے سے عقیدے کی سطح پر پہنچایا جہاں فرد کی عظمت اور آزادی کا ایک نیا باب طلوع ہوتا ہے۔‘‘(12)

اقبال نے نظم کے نئے نئے امکانات تلاش کیے اور نظم کی فکری و فنی سطح پر نظم کو اس معراج سے آشنا کیا جس کا ہماری شاعری میں اس سے پہلے تصور موجود نہ تھا۔اقبال ایسے نباض تھے جو تشخیص و تحقیق کے بعد عصر کی رفتار کو تخلیقی سطح پر جان چکے تھے اور اپنی بے پناہ علمی اور تخلیقی کائنات کو اس مطابق سجانے بنانے پر کمال قادر تھے۔

’’اقبال سے پہلے نظم کے ارتقا کے باوجود کوئی بڑا اجتہاد نہیں ہوا تھا۔بات اتنی تھی کہ نظم محدود دائرے سے نکل کر موضوعات کی وسعت اور محض فنی اور ہئیتی تجربوں سے گزری تھی۔اقبال نے فنی اور فکری دونوں سطحوں پر ایسی کشادگی عطا کی گئی نظم شاعری کا محور بن گئی۔اقبال نے نظم کو ذات سے کائنات تک پھیلا دیا۔‘‘(13)

یوں انجمن پنجاب کی تحریک سے جنم لینے والی نظم اقبال کی صورت میں اپنے دونوں مقاصد کی انتہا کو چھو لیتی ہے۔ایک مقصد تو اصلاحی اور اپنے ماضی کی بازیافت اور تاریخ کے متعلق تھا اور دوسرا موضوع نظم کو ان عنوانات اور موضوعات سے ہمکنار کرنے کا تھا جو اس سے پہلے نظم کے دائرہ عمل میں نہیں آتے تھے۔اقبال نے ان دو انتہاؤں کو چھونے کے بعد ایک نئے کبیری بیانیہ کا بھی اظہار کیا تھا۔جسے ’اسلامی کبیر بیانیہ‘ کا نام دیا گیا ہے۔یوں اقبال کی نظم اپنے اندر بالکل الگ اسلوب کی حامل بھی تھی اور ایک اعتبار سے انجمن پنجاب کی فکر کا تسلسل بھی۔

حوالہ جات

(1) ناصر عباس نیرؔ، ڈاکٹر۔ نظم کیسے پڑھیں۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۱۷

(2) سلیم اختر، ڈاکٹر۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۳۵۰

(3) ضیاء الحسن، ڈاکٹر۔ جدید اردو نظم، آغاز وارتقا۔ لاہور: سانجھ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۶

(4) علی محمد خان، ڈاکٹر۔ لاہور کا دبستان شاعری۔ لاہور: نشریات، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۸

(5) ضیاء الحسن، ڈاکٹر۔ جدید اردو نظم، آغاز وارتقا۔ لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۷۸

(6) عنبرین منیر، ڈاکٹر۔ جدید اردو نظم میں نفسیاتی عناصر۔ فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء، ص ۹۲

(7) ضیاء الحسن، ڈاکٹر۔ جدید اردو نظم، آغاز وارتقا۔ لاہور: سانجھ، ۲۰۱۲ء، ص ۶۰

(8) از فر عمران۔ نئی اردو نظم، نئی تخلیقی جہت۔ اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۳ء، ص ۷۹، ۷۸

(9) ضیاء الحسن، ڈاکٹر۔ جدید اردو نظم، آغاز وارتقا۔ لاہور: سانجھ، ۲۰۱۲ء، ص ۲۸

(10) رشید امجد، ڈاکٹر۔ شاعری کی سیاسی و فکری روایت۔ لاہور: دستاویز، ۱۹۹۳ء، ص ۵۸

(11) ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر۔ نظم کیسے پڑھیں۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۲۶

(12) رشید امجد، ڈاکٹر۔ شاعری کی سیاسی و فکری روایت۔ لاہور: دستاویز، ۱۹۹۳ء، ص ۶۶

(13) ایضاً، ص ۸۷



CC BY